تاریخ کے دریچوں سے

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

مفتی اعظم پاکستان

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

تاریخ کے دریچوں سے

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مفتی اعظم پاکستان

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

فہرست مضامین

عرض ناشر ۵
احساسِ فرض ۷
غرور کا علاج ۷
عجیب تعبیر ۸
آگ ہی آگ ۹
دریاؤں پر حکومت ۱۰
باپ اور بیٹا ۱۲
کاغذ کا ٹکڑا ۱۳
امام اعظم ابو حنیفہؒ ۱۳
نیا رخ ۱۴
اساتذہ کا احترام ۱۵
والدہ کی اطاعت ۱۶
حاضر جوابی ۱۷
ایک اور واقعہ ۱۸
ذہانت ۱۹

ایک اور واقعہ ۱۹
پراسرار گواہی ۲۰
بنا کردند خوش رسمے ۲۰
حق بحق دار رسید ۲۴
تاریخی رات ۲۶
خط کا جواب ۲۶
پانی کا ایک گھونٹ ۲۷
حاضر جوابی ۲۸
آدم خور ۲۹
پتھروں کی بستی ۳۰

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم مفتیٔ اعظم پاکستان ورئیس الجامعہ دار العلوم کراچی کے تحریر کردہ زیرِ نظر تاریخی واقعات ۱۹۶۱ء میں ماہنامہ ''فکرِ نو'' کے مختلف شماروں میں شائع ہوئے تھے۔

''ادارۃ المعارف کراچی'' کو ان واقعات میں سے بعض واقعات دستیاب ہوئے جو افادۂ عام کی غرض سے یکجا کر کے کتابچے کی شکل میں شائع کر کے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور قارئین کے لئے ان واقعات کو حقیقی معنی میں مفید بنائے، آمین۔

محمد مشتاق سنّی
ادارۃ المعارف کراچی

محرم ۱۴۳۱ھ
جنوری ۲۰۱۰ء

تاریخ کے دریچوں سے

احساسِ فرض

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے جاہ وجلال سے دنیا کی عظیم ترین طاقتیں لرزہ براندام تھیں۔تقریباً نصف دنیا پر جن کے اقتدار کا جھنڈا لہراتا تھا، ان سے ملنے کے واسطے ایک دفعہ احنف، عرب کے چند مشہور زعماء کے ساتھ گئے، دیکھا تو دنیا کے یہ عظیم فاتح، دامن چڑھائے اِدھر اُدھر دوڑتے پھر رہے ہیں، احنف کو دیکھ کر کہا ''آؤ تم بھی میرا ساتھ دو، سرکاری خزانہ کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے، اسے پکڑنا ہے، تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے؟''

مہمانوں میں سے ایک نے کہا ''امیر المومنین! آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں، کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا۔'' فرمایا: ''مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے۔''

غرور کا علاج

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہی واقعہ ہے کہ ایک دفعہ تقریر میں کہا کہ ''ساتھیو! ایک زمانہ میں میں اس قدر مفلس تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لادیا کرتا تھا، وہ اس کے بدلے میں مجھے چھوہارے دیا کرتے تھے وہی کھا کر گذارا کرتا تھا۔'' یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے، سامعین کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے

کی کیا بات تھی؟ فرمایا کہ میرے دل میں ذرا غرور آ گیا تھا یہ اس کا علاج تھا۔

عجیب تعبیر

امام ابنِ سیرین ایک زبردست محدث و عالم ہونے کے ساتھ ساتھ تعبیرِ خواب میں بھی حیرتناک مہارت رکھتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آ کر اپنا خواب بیان کیا کہ ''میں نے دیکھا کہ میری چارپائی کے نیچے آگ کے انگارے دہک رہے ہیں۔'' فرمایا ''جا کر چارپائی کے نیچے کی زمین کھودو خزانہ ملے گا'' یہ شخص گھر گیا اور زمین کو کھودا تو یہ دیکھ کر حیرت و مسرت کی انتہا نہ رہی کہ واقعی یہ جگہ خزانہ سے بھری پڑی تھی۔

اتفاق کی بات کہ چند ماہ بعد پھر اس نے یہی خواب دیکھا کہ انگارے دہک رہے ہیں۔ اور جا کر (شاید اس خیال سے کہ اس مرتبہ پھر خزانہ ملے گا) امام ابن سیرین کو خواب سنایا، اس مرتبہ آپ نے فرمایا کہ جلدی گھر پہنچ کر اپنے گھر والوں اور ضروری سامان کو باہر نکالو گھر پر کوئی آفت آنے والی ہے'' یہ افتاں و خیزاں پہنچا اور گھر والوں اور ضروری سامان کو جلدی جلدی باہر نکالا، ابھی یہ فارغ ہی ہوا تھا کہ وہ گھر اچانک گر کر مٹی کا ڈھیر بن گیا۔

اب لوگ حیرت زدہ تھے اور خود یہ بھی کہ یہ عجیب ماجرا ہے کہ پہلے امام نے بعینہ اسی خواب کی تعبیر وہ دی جس پر دوسرے لوگ بھی رشک کرتے ہیں اور اب پھر جب یہی خواب دیکھا تو یہ ہولناک تعبیر بتائی اور دونوں حیرتناک حد تک صحیح ثابت ہوئیں، نہ رہا گیا تو ابنِ سیرین سے پوچھا، فرمایا: ''کہ بھائی

پہلی مرتبہ تم نے خواب سردی کے موسم میں دیکھا تھا، اور سردی میں آگ اللہ کی عظیم نعمت ہے، لہٰذا میں نے تعبیر دی کہ مال ملے گا، اور اب جو تم نے خواب دیکھا یہ گرمی کا موسم ہے اور گرمیوں میں آگ رحمت کی علامت نہیں ہو سکتی لہٰذا میں نے یہ تعبیر دی جو تمہارے سامنے ہے۔"

آگ ہی آگ

ایک مرتبہ امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے اس کا نام پوچھا، کہا کہ "جمرہ" (بمعنی چنگاری)

امیر المؤمنین: باپ کا نام؟

جمرہ: شہاب (بمعنی شعلہ)

امیر المؤمنین: کس قبیلہ سے ہو؟

جمرہ: حُرقہ (بمعنی سوزش) سے

امیر المؤمنین: کہاں رہتے ہو؟

جمرہ: حرہ (بمعنی گرمی) میں

امیر المؤمنین: حرہ کے کس مقام پر رہتے ہو؟

جمرہ: ذات لظیٰ (بمعنی شعلہ والا) میں

یہ عجیب بات تھی کہ اس کا، باپ کا، قبیلہ کا، وطن اور محلہ تک کا نام ایسا تھا جس کے معنی آگ یا گرمی کے ہوتے تھے، اس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دوڑو، اپنے کنبے کی خبر لو کہ وہ سب کے سب جل کر بھسم ہو چکے ہیں، وہ فوراً لوٹا تو واقعی اس کا پورا کنبہ جل کر ڈھیر ہو چکا تھا۔

دریاؤں پر حکومت

جب غازیانِ اسلام کے ہاتھوں ملک مصر فتح ہوا تو مصری مہینوں میں سے ایک خاص مہینہ کی پہلی تاریخ کو مقامی باشندوں کا ایک وفد اسلامی گورنر عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہمارے اس دریائے نیل کی ایک عادت ہے جب تک اس کی تکمیل نہ کردی جائے اس وقت تک اس میں روانی نہیں آتی۔

گورنر: وہ عادت کیا ہے؟

وفد: ہمارا سالانہ دستور ہے کہ جب ماہِ رواں کی گیارہ تاریخ ہوتی ہے تو ایک نوجوان دوشیزہ کو جو والدین کی اکلوتی بیٹی ہوتی ہے تیار کرتے ہیں، اس کے والدین کو راضی کرلیتے ہیں، پھر اسے نہلا دھلا کر بہترین سے بہترین کپڑوں اور عمدہ سے عمدہ زیورات سے آراستہ کرکے دریائے نیل میں پھینک دیتے ہیں، اگر کسی سال ایسا نہ کریں تو دریا خشک ہوجاتا ہے اور ملک پر قحط سالی مسلط ہوجاتی ہے۔

یہ سن کر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، یہ ظلم اسلام میں ہرگز نہیں ہوسکتا، اسلام ایامِ جاہلیت کی تمام غلط رسوم کو ختم کرنے کے لئے آیا ہے، یہ سن کر تمام لوگ خاموش ہوگئے، اور اس سال نوجوان زندہ دوشیزہ کو دریائے نیل کی نذر نہ کرنے سے دریا کی روانی قطعاً رکی رہی اور قحط سالی نے مقامی باشندوں کو ترکِ وطن پر مجبور کردیا۔

اسلامی گورنر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ حالات دیکھے تو مکمل

رپورٹ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دار الخلافہ روانہ کی۔

امیر المؤمنین نے جواب میں لکھا کہ ''تم جو کیا بالکل ٹھیک ہے اور تمہاری رائے صحیح ہے، اسلام نے پچھلی تمام غلط رسوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے، اس لئے دوشیزہ کو ہرگز نیل میں نہ ڈالا جائے۔'' اور اس مکتوب میں ایک کارڈ دریائے نیل کے نام لکھ کر رکھ دیا، اور گورنر مصر کو ہدایت کی یہ کارڈ دریائے نیل میں ڈال دیا جائے۔

کارڈ کا مضمون یہ تھا:

''اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین ؓ کی طرف سے نیلِ مصر کے نام!

امّا بعد:- اے دریائے نیل تو غور سے سُن لے کہ اگر تجھ میں خود بخود روانی آجاتی ہے اور تو صرف اپنی مرضی سے بہتا ہے، تیرا کوئی چلانے والا اور بہانے والا نہیں ہے تو ہمیں تیری کوئی ضرورت نہیں اور تو ہرگز جاری نہ ہو، لیکن اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم اور قدرت سے چلتا ہے تو میں خدائے واحد وقہّار سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری کردے۔''

چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے صلیب نکلنے سے ایک روز پہلے رات کے وقت اس حکمنامہ کو دریائے نیل میں ڈال دیا، مصر کے زمین وآسمان اور لاکھوں باشندوں نے صبح کو یہ عجیب وغریب تماشا دیکھا کہ وہی خشک دریا جو بند پڑا تھا، پورے زور وشور کے ساتھ جاری تھا، اور اسلامی مملکت کے بے نظیر حکمران فاروقِ اعظم ؓ کے حکمنامہ کے سامنے اس طرح بل کھا رہا تھا جیسے کوئی

سانپ بین کے سامنے بل کھاتا ہے۔

باپ اور بیٹا

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جن کو فاروقِ ثانی کہا جاتا ہے اور جن کا طرزِ مملکت فاروقِ اعظمؓ کے طرز پر تھا جب مسندِ خلافت پر فائز ہوئے تو بعض جائیدادوں پر بنو امیہ کے پہلے خلفاء نے غاصبانہ قبضہ کیا ہوا تھا اور ایک خدا ترس خلیفہ کا سب سے مقدم فرض یہی تھا کہ تمام مظلوموں کا حق واپس دلائے۔ جس وقت پہلے خلیفہ سلیمان ابن عبد الملک کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر گھر واپس آئے تو تجہیز و تکفین اور دوسرے اہم کاموں کی وجہ سے رات بھر قطعاً سونے کا موقع نہ ملا تھا اور دن میں بھی کاموں سے تھک کر چور ہو چکے تھے اس لئے ذرا آرام کے لئے دوپہر کو لیٹنے کا ارادہ کیا تو آپ کے صاحبزادے آ گئے اور پوچھا۔

بیٹا: آپ غصب کی ہوئی جائیدادیں واپس کرنے سے پہلے سونا چاہتے ہیں؟

عمر بن عبد العزیزؒ: سلیمان کی تجہیز و تکفین اور دوسرے وقتی کاموں کی وجہ سے رات بھر سو نہیں سکا ہوں، نماز ظہر کے بعد یہ خدمت انجام دوں گا۔

بیٹا: کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ ظہر کے وقت تک زندہ رہیں گے؟

عمر بن عبد العزیزؒ پر اس فقرہ کا اتنا اثر ہوا کہ بیٹے کو گلے سے لگا لیا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا، اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے ایسی اولاد دی جو مجھے مذہبی کاموں میں مدد دیتی ہے چنانچہ فوراً اٹھ کر اعلان کرایا کہ لوگ اپنی اپنی مغصوبہ جائیدادوں کے متعلق شکایات پیش کریں، اور آخر اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھے جب تک تمام لوگوں کی جائیدادیں واپس نہ کر دیں۔

کاغذ کا ٹکڑا

عمر بن عبد العزیزؒ کے پیش کار ''فرات'' ہر جمعہ کو ان کی خدمت میں سرکاری کاغذات پیش کیا کرتے تھے، ایک دن انہوں نے حسبِ دستور کاغذات پیش کیے تو امیر المومنینؒ نے ان میں سے ایک بالشت سادہ کاغذ کا ٹکڑا اپنے ذاتی کام میں استعمال کرلیا، چونکہ کاغذ سرکاری ملکیت تھا (اور فرات پر امیر المومنینؒ کی دیانت بھی پوشیدہ نہیں تھی) اس لئے دل میں خیال کیا کہ شاید بھول کر ایسا کرلیا ہے۔ دوسرے دن امیر المومنینؒ نے فرات کو مع کاغذات کے طلب کیا اور کاغذ اب خود لے کر انہیں کسی کام کے لئے باہر بھیج دیا۔ فرات واپس آئے تو ان سے فرمایا، اب تک تمہارے کاغذات دیکھنے کا موقع نہ مل سکا، اس لئے اس وقت تو یہ لے جاؤ پھر کسی وقت بلالوں گا، انہوں نے گھر جا کر کاغذات کھولے تو دیکھا کہ جتنا کاغذ انہوں نے کل خرچ کیا تھا اتنا ہی کاغذ اس میں موجود تھا۔ فرات امیر المومنینؒ سے اپنی بدظنی پر بہت شرمندہ ہوا۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ

دنیا کے اس عظیم کرّہ پر نہ معلوم کتنی شخصیتیں روز نمودار ہوتی ہیں اور کتنی غائب ہوجاتی ہیں، پھر تاریخ کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کون آیا تھا اور کون چلا گیا لیکن کچھ شخصیتیں حافظۂ تاریخ میں اتنے گہرے نقوش چھوڑتی ہیں کہ زمین و آسمان کے لاکھوں انقلاب اور کروڑوں گردشوں سے بھی ان کی تابانی میں فرق نہیں آتا۔ وہ جتنے پرانے ہوتے ہیں زیادہ روشن اور زیادہ دلکش ہوتے چلے جاتے ہیں۔

آج سے پورے تیرہ سو سال پہلے ۸۰ ھ میں ایسی ہی عظیم شخصیت کوفہ کے افق پر نمودار ہوئی تھی، جس کا نام اگرچہ ابو حنیفہ تھا مگر اب وہ "امامِ اعظم" ہیں، وہی امامِ اعظم ابو حنیفہ جن کی طرف نسبت کر کے تقریباً ۱۲ کروڑ مسلمان حنفی کہلاتے ہیں۔

آپ عراق کے شہر کوفہ میں کپڑے کے ایک مشہور سوداگر کے یہاں پیدا ہوئے تھے، بچپن اس حالت میں گزرا کہ تمام اسلام ممالک ملکی جھگڑوں میں گرفتار تھے، کچھ تو اسی خلفشار کا اثر تھا کہ طویل عرصہ تک وہ اپنی تعلیم کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اور کچھ یہ وجہ بھی تھی کہ والد کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ جانے کے باعث وسیع کاروبار کی تمام ذمہ داری آپ کے سر آپڑی تھی۔

جب عمر تقریباً بیس سال ہوئی تو تحصیل علم کا شوق بیدار ہوا۔ ادھر حُسنِ اتفاق سے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے زندگی کا رُخ یکسر بدل دیا، کوفہ کے اس نوجوان سوداگر کو ابو حنیفہ سے "امامِ اعظم" بنانے کا سامان مہیا کر دیا۔

نیا رُخ

ایک روز بازار جا رہے تھے کہ امام شعبی رحمہ اللہ کے مکان سے گزر ہوا، امام شعبی کوفہ کے عظیم محدث اور مشہور عالم تھے، ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو گزرتے دیکھا تو یہ سمجھ کر کہ کوئی طالبعلم ہے پاس بلا لیا، اور پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوداگر کا نام بتایا کہ اس کے یہاں جا رہا ہوں۔ امام شعبیؒ نے فرمایا میرا مطلب یہ ہے کہ تم کس سے پڑھتے ہو؟ اس سوال پر ابو حنیفہؒ نے مغموم لہجے میں کہا "کسی سے بھی نہیں" امام شعبیؒ نے اس ملاقات

میں اس ہونہار نوجوان کے جوہر بھانپ لئے تھے جو قوموں کی زندگی میں ایک نئے، خوشگوار باب کا اضافہ کرتے ہیں۔ معنی خیز توجہ کے ساتھ فرمایا:۔تم مجھ کو ذہین اور سعادتمند معلوم ہوتے ہو، تم علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو۔

کچھ تو شوق پہلے سے تھا ہی، اس انقلابی نصیحت نے ایسا اثر کیا کہ پوری زندگی کو خدمتِ علم کے لئے وقف کردیا۔ اور دن رات محنت کر کے تھوڑے ہی عرصہ میں رفقائے درس اور اساتذہ پر اپنی عجیب وغریب ذہانت، بے پایاں شوق، اور غیر معمولی قابلیت کا گہرا نقش قائم کردیا۔ اساتذہ اور ہم سبق سب ہی ان کا احترام کرنے لگے، علم کا ایسا چسکہ لگا کہ اس کے لئے دور دراز کے سفر کرتے، جس جگہ معلوم ہوتا کہ وہاں فلاں عالم ہیں، پہنچ جاتے اور علم حاصل کرتے، یہی وجہ ہے کہ بعض مورخین نے آپ کے اساتذہ کی تعداد تقریباً ۴ ہزار بتلائی ہے۔

اساتذہ کا احترام

اساتذہ کا اس قدر احترام کرتے کہ آج کی اس ''مہذب دنیا'' میں اس کا تصور بھی آسان نہیں، ایک مرتبہ خود ہی فرمایا '' حماد رحمۃ اللہ علیہ (آپ کے مخصوص استاد) جب تک زندہ رہے میں نے ان کے مکان کی طرف کبھی پاؤں نہیں پھیلائے۔''

ان سب چیزوں نے ملکر چند ہی سالوں میں امام ابوحنیفہؒ کے غیر معمولی علم اور عظیم کردار کا اعتراف پوری دنیائے اسلام سے کرالیا، بچہ بچہ کے منہ پر امام ابوحنیفہؒ کا نام تھا، سفر میں کسی بستی یا شہر سے گزر ہوتا تو بستی کے لوگ

پروانوں کی طرح جھرمٹ میں لے لیتے، اور وقت کوغنیمت جان کر اسلامی قانون وفقہ کے مشکل ترین مسائل ان سے حل کراتے۔

امامِ اعظمؒ نے علم اور اسلامی قانون کی جو تعمیری، حیرتناک اور عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں اور جو درحقیقت ان کا سب سے بڑا اور تاریخ کا بے نظیر کارنامہ ہے، ان پر اگر بحث کی جائے تو ایک مستقل دفتر کھل جائے، مگر ان سطور میں ہم ان کی بعض دوسری خصوصیات کا ذکر کریں گے جو تیرہ سو سال کی تاریخ میں ان کی عظیم شخصیت کو بے مثال بنا دیتی ہیں۔

والدہ کی اطاعت

والد صاحب کے انتقال کے بعد والدہ کی خدمت کا آپ کو خوب موقع ملا، والدہ ذرا شکی مزاج عورت تھیں، ایسے واعظ، علماء سے جو صرف اپنی زبان کے زور پر عقیدت مندوں کی بھیڑ جمع کر لیتے ہیں زیادہ عقیدت رکھتی تھیں، کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو اپنے بیٹے سے پوچھنے کے بجائے کوفہ کے ایک مشہور واعظ ''عمر بن ذرؒ'' سے جو علم کے اعتبار سے امام اعظمؒ کے شاگردوں کی بھی صف میں نہ آسکتے تھے، معلوم کراتیں، پھر لطف یہ کہ خود امام اعظمؒ ہی کو حکم دیتیں کہ مسئلہ پوچھ کر آئیں، تعمیل حکم کے لئے امام ابوحنیفہؒ اُن سے مسئلہ پوچھتے تو وہ شرمندہ ہوتے کہ میں آپ کے سامنے کیا بول سکتا ہوں! فرماتے کہ والدہ کا یہی حکم ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ ''عمرؒ'' ان سے درخواست کرتے کہ مجھے یہ مسئلہ معلوم نہیں، آپ بتا دیں تو یہی میں آپ کے سامنے دہرا دوں گا۔

آپ انتہائی ذہین اور بلا کے حاضر جواب تھے، اس سلسلہ میں بے

شمار عجیب و غریب اور دلچسپ واقعات تاریخ کو ابھی تک یاد ہیں۔ چند یہ بھی سن لیجیے:

حاضر جوابی

مسئلہ ہے کہ نماز میں مقتدی سورۂ فاتحہ اور قرآن کریم کی کوئی آیت نہیں پڑھتے امام پڑھتا ہے اور سب لوگ خاموش کھڑے رہتے ہیں، یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بھی ہے۔ ایک مرتبہ بہت لوگ جمع ہو کر امام ابوحنیفہؒ کے پاس آئے اور کہا: تم امام کے پیچھے نمازیوں کو قرآن پڑھنے سے روکتے ہو، ہم تم سے ''مناظرہ'' کریں گے،

امام ابوحنیفہؒ: اتنے آدمیوں سے میں تنہا کیسے بحث کر سکتا ہوں؟ ہاں اگر آپ چاہیں تو اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیں جو سب کی طرف سے مجھ سے بات کرے اور اس کی بات آپ سب کی بات سمجھی جائے۔'' لوگوں نے امام صاحب کی اس بات کو بڑی خوشی سے منظور کر لیا۔

امام ابوحنیفہ: آپ نے جب یہ بات مان لی تو بحث بھی ختم ہوگئی آپ نے جس طرح ایک شخص کو سب کا نمائندہ بنا دیا اسی طرح نماز میں امام بھی تمام نمازیوں کا نمائندہ ہوتا ہے اور اس کی قراءت سب کی قراءت ہوتی ہے۔ پورا مجمع حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تک کر واپس ہوگیا۔ دراصل ان کا یہ برجستہ جواب رسولِ اکرم ﷺ کی ایک حدیث کی دلنشین تشریح تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ جب امام قرآن پڑھتا ہے اس وقت باقی نمازیوں کو خاموش رہنا چاہیے۔

ایک اور واقعہ

ایک شخص نے غصہ میں اپنی بیوی سے کہدیا ''خدا کی قسم جب تک تو مجھ سے نہیں بولے گی، میں تجھ سے بات نہ کروں گا'' عورت بھی غصہ میں تھی، بولی ''خدا کی قسم جب تک تم مجھ سے نہ بولو گے میں بھی تم سے کلام نہ کروں گی۔''

اس وقت دونوں نے غصہ میں قسمیں کھالیں لیکن بعد میں سخت پریشان ہوئے کیوں کہ جو بھی بولتا ہے اس کی قسم ٹوٹتی ہے، بھاری کفارہ لازم ہوتا ہے، اور نہیں بولتے تو بسر کیسے ہو؟؟

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا انہوں نے فتویٰ دیا ''اگر تم بیوی سے بولو گے تو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اس کے بغیر چارۂ کار نہیں'' آدمی غریب تھا، پریشان ہوکر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس آیا۔ امام صاحب نے واقعہ سُن کر فرمایا'' جاؤ شوق سے باتیں کرو کسی پر کفارہ نہیں ہے۔''

سفیان ثوریؒ کو معلوم ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور امام ابوحنیفہؒ سے جا کر کہا'' آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتا دیتے ہیں! امام صاحب نے اس شخص کو بلوایا اور فرمایا'' اپنا پورا واقعہ دوبارہ بیان کرو'' اس نے بیان کر دیا۔

امام اعظم: (سفیان ثوری سے) اس مسئلہ کا جو جواب میں نے پہلے دیا تھا میں اب بھی اُسی پر قائم ہوں۔

سفیان ثوری: کیوں؟

امام ابوحنیفہ: جب عورت نے شوہر کے جواب میں قسم کھائی، وہ بھی تو بولنا ہی تھا، جب وہ جواب میں بول اٹھی تو شوہر کی قسم کہاں باقی رہی؟

سفیان ثوری: (حیرت زدہ ہو کر) واقعی جو بات وقت پر آپ سوچ لیتے ہیں ہمارا وہاں خیال بھی نہیں جاتا۔

ذہانت

ایک شخص نے امام صاحب سے عرض کی کہ میں نے کچھ روپے ایک جگہ چھپا کر رکھ دیئے تھے اب وہ جگہ مجھے یاد نہیں آتی، کس طرح تلاش کروں؟ فرمایا ''بھائی یہ کوئی فقہ کا مسئلہ تو ہے نہیں کہ مجھ سے پوچھنے آئے ہو۔ مگر جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا'' آج تمام رات نماز پڑھو'' اس نے رات کو نماز پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ اچانک وہ جگہ یاد آ گئی، صبح کو دوڑا ہوا امام صاحب کے پاس آیا اور واقعہ بتایا، فرمایا ہاں شیطان کیسے برداشت کرتا کہ تم رات بھر نماز پڑھتے رہو۔ پھر بھی تمہیں چاہئے تھا کہ رات بھر نماز پڑھتے رہتے۔

ایک اور واقعہ

اسی طرح ایک اور آدمی آیا اور کہا'' میں نے کچھ سامان گھر کے کسی کونے میں گاڑ دیا تھا اب وہ جگہ بالکل یاد نہیں آتی، کوئی صورت بتائیں کہ سامان مجھے مل جائے، امام صاحب نے فرمایا'' جب تمہیں یاد نہیں تو مجھے اور بھی یاد نہ ہونا چاہئے۔ وہ رونے لگا تو رحم آ گیا، چند شاگرد ساتھ لے کر اس کے گھر گئے اور شاگردوں سے پوچھا۔ اگر یہ مکان تمہارا ہوتا اور تم کوئی چیز چھپانا چاہتے تو کہاں گاڑتے؟ سب نے اپنے اپنے اندازہ سے چار مختلف جگہیں بتا دیں۔ امام صاحب نے انہیں چاروں جگہوں کو کھودنے کا حکم دیا اور تیسری جگہ کھودی گئی تو تمام سامان نکل آیا۔

پراسرار گواہی

ابن بطوطہ سفرِ مالابار کے حالات میں لکھتا ہے کہ یہاں کے ایک عظیم الشان شہر ''دہ فتن'' میں جامع مسجد کے سامنے لوگوں نے مجھے ایک سرسبز و شاداب درخت دکھایا جس کے پتے انجیر کے مشابہ مگر قدرے نرم تھے اس کا نام ''درختِ شہادۃ'' ہے لوگوں نے عجیب و غریب بات یہ بتائی کہ ہر سال موسم خزاں میں اس میں سے ایک پتہ جھڑتا ہے جو سرخی مائل ہوتا ہے اس میں قلمِ قدرت کی یہ عجیب و غریب تحریر موجود ہوتی ہے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''

یہاں کے مشہور عالم ''حُسین'' اور بہت سے معتبر لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے وہ پتہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور مذکورہ کلمہ صاف پڑھا ہے، ''حسین'' نے بتایا کہ جب اس کے گرنے کا زمانہ آیا تو درخت کے نیچے کئی معتبر کافر اور مسلمان بیٹھ گئے جب وہ گرا تو نصف مسلمانوں نے لے لیا اور نصف شاہی خزانہ میں رکھ دیا گیا۔

یہی درخت دیکھ کر موجودہ بادشاہ کا دادا کویل مسلمان ہوگیا تھا اس کا ایک لڑکا کافر تھا باپ کے مرنے کے بعد اس نے یہ درخت جڑ سمیت اکھڑوا دیا اور اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ چھوڑا۔ مگر جلد ہی وہ درخت تو اپنی پہلی آب و تاب کے ساتھ نکل آیا، مگر وہ لڑکا فوراً ہلاک ہوگیا۔ اب اس درخت سے یہاں کے غیر مسلم مریضوں کے لئے شفاء مانگتے ہیں۔ (ابن بطوطہ ۲: ۱۱۴)

بنا کردند خوش رسمے

مندرجہ ذیل واقعہ کی صداقت سے وہ مستشرقین بھی انکار نہ کرسکیں

گے جو طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے!

امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے غازیانِ اسلام کا ایک دستہ روم کی طرف روانہ کیا، اسی دستہ میں رسول اکرم ﷺ کے ایک صحابی عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔

سوءِ اتفاق سے یہ دستہ رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا رومیوں کو جب یہ معلوم کہ ان میں ایک صحابی بھی موجود ہیں تو انہیں شاہِ روم کے سامنے پیش کیا اور بتایا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابی ہیں۔

شاہِ روم: (عبد اللہؓ سے) تم عیسائی مذہب قبول کرلو تو میں تمہیں اپنی حکومت و بادشاہت میں شریک کرلوں گا۔

عبد اللہؓ: اگر تو مجھے اپنے پورے ملک اور مال و دولت کا اور تمام ملکِ عرب کا مالک بنادے تو میں ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے پیغمبر کے دین سے ہٹنا گوارا نہیں کرسکتا۔

شاہِ روم: تو میں تمہیں قتل کرڈالوں گا۔

عبد اللہؓ: مجھے اس کی پرواہ نہیں۔

شاہ روم نے حکم دیا کہ اس کو سولی پر لٹکادیا جائے، اور تیر اندازوں کو علیحدہ سمجھا دیا کہ اس پر تیر برسائے جائیں مگر اس طرح کہ یہ زندہ باقی رہے، تیروں کی بارش شروع ہوگئی تمام تیر دائیں بائیں سے ہوکر گزر رہے تھے تیروں کی اس دہشت انگیز سنسناہٹ میں بار بار اس مردِ جانباز کو عیسائیت کی تبلیغ کی جاتی تھی، مگر وہ غیر متزلزل قوت کے ساتھ مسلسل انکار کرتے رہے۔

عاجز آ کر شاہِ روم نے ان کو سولی سے اتارنے کا حکم دیا مگر اس لئے نہیں کہ اس کے دل میں کچھ رحم آ گیا تھا بلکہ اس لئے کہ اب اس کی درندگی نے ایک اور بھیانک صورت اختیار کر لی تھی۔

ایک بڑی دیگ منگائی گئی، اس میں پانی خوب کھولایا گیا، جب وہ پوری طرح جہنم زار بن گئی تو عبداللہؓ کے ایک ساتھی کو دھمکی دی گئی کہ عیسائی مذہب اختیار کر لو ورنہ اس دیگ میں ابال دیئے جاؤ گے، لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس نے صاف انکار کر دیا، آخر ان چیتہ صفت انسانوں نے اس کو کھولتی ہوئی دیگ میں پھینک دیا تھوڑی دیر بعد جب لاش باہر نکالنے کی کوشش کی گئی تو چند ہڈیاں نکل سکیں۔ گوشت پانی میں گھل چکا تھا، یہ بھیانک منظر دکھانے کے بعد شاہِ روم کو یقین تھا کہ عبداللہؓ اب عیسائی مذہب سے انکار نہ کر سکے گا۔

شاہِ روم: تم نے اپنے ساتھی کا حشر اچھی طرح دیکھ لیا، اگر تم اب بھی عیسائی مذہب قبول نہ کرو گے تو تمہیں بھی اس دیگ میں اسی طرح اُبال دیا جائے گا۔

عبداللہؓ: مگر میں اپنے ایمان پر اب بھی قائم ہوں، میں اپنے پیغمبر کا مذہب نہیں چھوڑوں گا۔

حکم دیا گیا کہ اسے بھی اسی کھولتے ہوئے پانی میں جھونک دیا جائے۔

جب عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس وحشت ناک دیگ کے قریب لے جایا گیا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ نکلیں، شاہِ روم

سمجھا کہ یہ خوف زدہ ہوگیا ہے، اس مرتبہ اس کو پختہ یقین ہوگیا کہ اب وہ اسلام کو ضرور چھوڑ دے گا، عبداللہ کو پاس بلایا اور پھر اپنے مذہب کی تبلیغ کی۔

عبداللہ: میرا فیصلہ اٹل ہے، میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میں اسلام کو نہیں چھوڑوں گا، اور اب بھی پوری قوت کے ساتھ اس پر قائم ہوں۔

شاہِ روم: پھر تم کیوں رو رہے تھے؟

عبداللہ: میں موت سے ڈر کر نہیں بلکہ یہ سوچ کر رو رہا تھا کہ اب چند لمحوں میں مجھے شہادت نصیب ہو جائے گی، کاش مجھے سینکڑوں مرتبہ زندگی ملتی، ہر مرتبہ زندہ ہونے کے بعد مجھے اس میں ڈالا جاتا اور ہر مرتبہ مجھے شہادت نصیب ہوتی!

شاہِ روم: اچھا اگر تم عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تو میرے سر کو بوسہ دیدو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔

عبداللہ: کیا میرے ساتھیوں کو بھی آزاد کر دو گے؟

شاہِ روم: ہاں ساتھیوں کو بھی!

عبداللہؓ کہتے ہیں کہ یہ سوچ کر کہ اگرچہ یہ اللہ کا دشمن ہے مگر اس کے سر کا بوسہ دینے سے (جس میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہیں) مجھے اور میرے تمام ساتھیوں کو آزادی مل جائے گی، میں نے یہ شرط منظور کر لی اور اس کے سر کو بوسہ دیدیا۔

جب یہ پورے دستہ کے ساتھ آزاد ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کا شاندار خیر مقدم کیا اور فرمایا، ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہؓ کے سر کو چومے اور سب سے پہلے میں

چومتا ہوں، یہ کہہ کر فرطِ محبت میں عبداللہ بن حذافہ کا سر چوم لیا۔ (کنز العمال ۲۲:۷، والاصابۃ ۲۸۸:۲)

حق بحق دار رسید

ابن بطوطہ نے ایک عجیب واقعہ یہ لکھا ہے کہ میں ہندوستان کے کوہ کامرو پہنچا، چین اور تبت کے ناقابل تسخیر پہاڑی سلسلہ سے ملا ہوا ہے، مقصد یہ تھا کہ شیخ جلال الدین تبریزی سے ملاقات کروں، جب میں اُن سے ملا تو انہوں نے ایک نہایت حسین اور بیش قیمت پوستین پہنی ہوئی تھی میرا دل چاہا کہ کاش شیخ یہ مجھے دیدیں مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔

جب میں رخصت ہونے لگا تو شیخ نے وہ پوستین اتار کر مجھے پہنادی اور خود پیوند لگا ہوا لبادہ اوڑھ لیا، ان کے پاس رہنے والے چند فقیروں نے مجھے بتایا کہ اتنا بیش قیمت لباس پہننے کی شیخ کو عادت نہیں، دراصل یہ پوستین انہوں نے اپنے بھائی ''برہان الدین صاغرجی'' کے واسطے اُنہی کے ناپ پر بنوائی ہے۔

لیکن تمہاری آمد کے وقت یہ انہوں نے خود پہن لی اور پیشن گوئی کی کہ یہ مہمان مجھ سے یہ پوستین لے لیگا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس سے ایک کافر بادشاہ لے لیگا۔ پھر اس بادشاہ سے کسی طرح یہ پوستین میرے بھائی برہان الدین کے پاس پہنچ جائے گی۔

ان لوگوں کی بات سن کر میں نے کہا کہ اس تبرک کو میں اپنے ہاتھ سے جانے نہ دوں گا، میں کسی بادشاہ سے یہ پہن کر ملوں گا ہی نہیں چاہے وہ کافر

ہو یا مسلمان، یہ کہہ کر میں ان لوگوں سے رخصت ہوگیا، عرصہ دراز کے بعد اتفاقاً مجھے چین کا سفر پیش آیا، اس کے عظیم الشان شہر ''خنسہ'' میں داخل ہوا تو شدید ہجوم کی وجہ سے میرے ساتھی مجھ سے بچھڑ گئے، اس وقت میں پوستین پہنے ہوئے تھا، ابھی راستہ ہی میں تھا کہ سامنے سے وزیر کی سواری آ گئی اس کی نظر مجھ پر پڑی تو مجھے بلالیا، ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر وہ حالات سفر پوچھتا رہا اور اپنے ساتھ لے گیا، حتیٰ کہ ہم دونوں شاہِ چین کے محل میں داخل ہوگئے، میں نے وہاں سے ہٹنے کی کوشش کی مگر وزیر نے روک دیا اور بادشاہ سے ملاقات کرائی۔

شاہِ چین مجھ سے سلاطین اسلام کے بارے میں پوچھتا رہا، لیکن بار بار اس کی نظریں میری پوستین میں جذب ہوتی جارہی تھیں آخر وزیر نے مجھ سے کہا کہ یہ پوستین اتار دو، میں انکار نہ کرسکا اور پوستین اتار کر شاہ کے حوالے کردی، شاہ نے اس کے عوض میں مجھے دس جوڑے، ایک آراستہ گھوڑا اور کچھ رقم خرچ کے لئے دیدی، میں اس سودے پر خوش تھا مگر فوراً ہی شیخ کی پیشنگوئی یاد آ گئی کہ ''یہ پوستین ایک کافر بادشاہ لے لیگا۔'' پھر اس پر ایک عجیب وغریب بات یہ ہوئی کہ اگلے سال چین کے دوسرے شہر پیکنگ جانے کا اتفاق ہوا، وہاں ایک بزرگ کے پاس حاضر ہوا، یہ دیکھ کر میری حیرت بڑھتی جارہی تھی کہ یہ بزرگ بعینہ وہی پوستین پہنے بیٹھے تھے، میں نے یہ دیکھنے کے لئے کہ کہیں یہ کوئی دوسری تو نہیں اس کا پلّہ الٹ کر دیکھنا چاہا۔

مگر انہوں نے معنی خیز انداز میں پوچھا ''جب تم اسے پہچانتے ہو تو یوں کیوں الٹتے پلٹتے ہو؟''

میں نے بے چینی سے کہا جی! یہ وہی ہے جو مجھ سے خنسہ کے بادشاہ نے لے لی تھی۔

انہوں نے اسی انداز سے کہا کہ میرا نام ''برہان الدین صاغرجی ''ہے اور یہ پوستین میرے بھائی جلال الدین تبریزی نے میرے واسطے بنوائی تھی اور مجھے لکھ دیا تھا کہ یہ پوستین تمہارے پاس فلاں شخص کے ذریعہ پہنچ جائے گی۔ یہ کہکر وہ خط انہوں نے مجھے دکھایا۔ (رحلۃ ابن بطوطہ ۲: ۱۵۰)

تاریخی رات

سلطنت عباسیہ کا عظیم خلیفہ ہارون رشید تخت نشین ہوا تو رات کا وقت تھا اور ربیع الاول ۱۷۰ھ کی سولھویں تاریخ، اسی رات میں چند لمحوں قبل اس کے بھائی ہادی نے وفات پائی تھی جو اس وقت کا ولی عہد تھا، چند ہی لمحوں بعد سلطنت عباسیہ کا آئندہ وارث مامون پیدا ہوا۔

اس لحاظ سے تاریخ کی یہ عجیب رات تھی کہ اس میں سلطنت عباسیہ کے ایک خلیفہ نے وفات پائی، ایک خلیفہ تخت نشین ہوا اور ایک خلیفہ پیدا ہوا۔
(حماۃ الاسلام ۲: ۳۴)

خط کا جواب

خلافت اسلامیہ اور ''زینی'' ملکہ روم کے درمیان ایک صلح نامہ لکھا گیا تھا جس پر ملکہ زینی تو اپنے دور حکومت میں کاربند رہی مگر اس کے بعد جب دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوا تو اس نے امیر المؤمنین ہارون رشید کو مندرجہ ذیل گستاخانہ خط لکھا ''مجھ سے پہلی ملکہ تجھ سے مرعوب تھی اور احساس کمتری کا شکار ہوگئی تھی،

وہ عورت تھی اس نے اپنی بے وقوفی اور نسوانی کمزوری کی وجہ سے صلح نامہ کے عوض بھاری دولت تجھے بھیجدی تھی، لیکن اب میں حکم دیتا ہوں کہ جس قدر مال تو نے اس سے وصول کیا ہے وہ بلا تاخیر مجھے لوٹا دے، ورنہ میرے اور تیرے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔"

امیر المؤمنین ہارون رشید نے اس کا جو مختصر جواب دیا وہ تاریخ کی دلچسپ دستاویز ہے۔ ہارون رشید نے لکھا تھا"میں نے تیرا خط پڑھ لیا، اس کا جواب تو سنے گا نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔"

یہ خط روانہ کیا اور ساتھ ہی ایک لشکر جرار لیکر روم کی طرف روانہ ہو گیا، جس وقت شاہِ روم کے پاس یہ خط پہنچا عین اسی وقت لشکر اسلام اس کی شہر پناہ پر دستک دے رہا تھا۔

اور کچھ دیر بعد پوری دنیا نے یہ خبر سنی کہ شاہِ روم کا شہر ہارون رشید نے فتح کر لیا ہے۔" (حماۃ الاسلام ۲:۰ ۴)

پانی کا ایک گھونٹ

ہارون رشید کی زبردست کامیابیوں، اور اندرونی اصلاحات کا ایک بڑا راز یہ تھا کہ اپنی مجلسوں میں ایسے حق گو اور بہی خواہ علماء کو کثرت سے شریک رکھتا تھا، جو قدم قدم پر اس کو نصیحت کرتے رہیں اور ہر لغزش پر اسے ٹوک سکیں۔

ایسے ہی علماء میں سے ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ تھے جن سے ہارون رشید اکثر فرمائش کرتا کہ کچھ نصیحت کریں، ایک مرتبہ خلیفہ کے پاس بیٹھے تھے کہ خلیفہ نے پانی طلب کیا، خلیفہ گلاس منہ کو لگایا ہی چاہتے تھے کہ انہوں نے کہا۔

امیر المومنین ذرا ٹھہر جائیے یہ بتائیے کہ کوئی زبردست قوت اگر آپ کو پانی سے روک دے تو یہ چند گھونٹ پانی آپ کتنے میں خریدیں گے؟ کہا "اگر یہ گھونٹ مجھے اپنی آدھی سلطنت کے عوض بھی ملے تو خریدنے پر مجبور ہوں گا۔"

ابن سماک نے کہا اب نوش فرمایئے اللہ آپ کو مبارک کرے۔

جب پانی پی لیا تو پوچھا اب بتایئے کہ یہ پانی جو آپ نے پیا اگر اس کے باہر نکلنے کا راستہ بند کر دیا جائے تو اس کو نکالنے کے لئے آپ کتنی دولت صرف کر دیں گے؟ کہا "اگر مجھے پوری سلطنت بھی خرچ کرنا پڑے تو دریغ نہ کروں گا۔"

ابن سماک نے کہا جس حکومت وسلطنت کی قدر و قیمت پانی کے ایک گھونٹ کے برابر بھی نہیں کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کی حرص وطمع میں انسان اپنے بھائیوں سے لڑتا پھرے؟ ہارون رشید یہ سن کر رو پڑا۔ (حماۃ الاسلام)

حاضر جوابی

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک زبردست مقنن اور فقیہ ہونے کے علاوہ بلا کے حاضر جواب تھے، کتنا ہی پیچیدہ اور مشکل مسئلہ ہو ایسے عام فہم طریقے سے سمجھا دیتے تھے کہ فوراً ذہن نشین ہو جائے۔

بنو امیہ کے دور خلافت میں خارجیوں کا مشہور سردار ضحاک کوفہ پر قابض ہو گیا۔ ایک مرتبہ امام صاحب کے پاس آیا اور تلوار کھینچ کر کہا کہ "توبہ کرو" انہوں نے پوچھا کس بات سے؟ ضحاک نے کہا "تمہارا عقیدہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے جھگڑے میں ثالثی مان لی تھی۔" حالانکہ

وہ سراسر حق پر تھے تو ثالث ماننے کا کیا مطلب؟

امام صاحب نے فرمایا کہ اگر مجھے قتل کرنا ہی مقصود ہے تو اور بات ہے ورنہ اگر تحقیق چاہتے ہو تو مجھے بولنے کا موقع دو۔

ضحاک نے کہا ''میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔'' امام صاحب نے کہا ٹھیک ہے مناظرہ کرلو۔ لیکن اگر بحث آپس میں طے نہ ہو تو کس طرح فیصلہ ہو؟ ضحاک نے کہا ہم دونوں کسی تیسرے شخص کو منصف قرار دیتے ہیں، جس کے حق میں وہ فیصلہ کردے اس کی بات مانی جائے گی۔

چنانچہ ضحاک ہی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو منتخب کرلیا گیا کہ دونوں کی بحث میں غلطی یا صحت کا فیصلہ کرے۔

امام صاحب نے فرمایا ''یہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی کیا تھا، تم نے خود ثالثی منظور کرلی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیا الزام ہے۔''

ضحاک دم بخود رہ گیا۔ اور خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔ (سیرۃ النعمان ۱:۶۷)

آدم خور

آدم خوروں کی کہانیاں آپ نے بچپن میں سنی ہوں گی لیکن نیچے کی سطور کی کہانی نہیں بلکہ مستند تاریخ کا ایک ایسا ورق ہے جس سے انسانیت کی پیشانی اب بھی عرق عرق ہو جاتی ہے۔

ابن بطوطہ اپنے مشہور سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ جب میں سوڈان کی سیاحت میں مصروف تھا، شاہ سوڈان کے پاس سوڈانیوں کا ایک وفد آیا اس وفد کے تمام لوگ آدم خور تھے، ان کے کانوں میں بڑے بڑے بندے تھے، جن

کے دائرے نصف بالشت کے برابر تھے، ان کے ملک میں سونے کی کان تھی، بادشاہ نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور دعوت میں ایک باندی پیش کی، ان لوگوں نے اسے ذبح کیا اور کھا گئے، پھر اس کا خون اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مَل کر بادشاہ کے پاس آئے اور شکریہ ادا کیا۔

مجھے لوگوں نے بتایا کہ جب بھی یہ لوگ بادشاہ کے مہمان ہوتے ہیں ان کی تواضع اسی طرح کی جاتی ہے۔ (رحلہ ابن بطوطہ ۲:۲۰۲)

پتھروں کی بستی

ابن بطوطہ سندھ کی سیاحت کے حالات میں لکھتا ہے کہ ایک دن میں ایک مقامی جاگیردار کے ساتھ شہر سے باہر روانہ ہوا۔ تقریباً سات میل چلنے کے بعد ہم ایک ہموار علاقہ میں پہنچ گئے۔

یہاں ایک عجیب وغریب منظر تھا۔ آدمیوں اور جانوروں کی شکل کے بے شمار پتھر پڑے تھے، بعض کے صرف سر یا پاؤں کی صورت باقی رہ گئی تھی، باقی خدوخال اور ناک نقشہ مٹ چکا تھا، کچھ پتھر چنے، گندم اور دال وغیرہ کی شکلوں کے بھی تھے، شہر پناہ کے کھنڈر اور منہدم مکانات کی شکستہ دیواریں جگہ جگہ کھڑی تھیں۔

چند قدم چل کر ہمیں ایک مکان نظر پڑا جس میں ایک کمرہ تراشے ہوئے پتھر کا تھا، اس کے بیچوں بیچ پتھر ہی کا ایک چبوترہ سا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب ایک ہی پتھر ہے اس کے اوپر پتھر کا ایک آدمی بیٹھا تھا، مگر اس کا سر لمبا اور منہ چہرے کے داہنی طرف ہٹا ہوا تھا، ہاتھ کمر کے پیچھے تھے جیسے کسی نے

باندھ دیئے ہوں، جگہ جگہ پانی جمع تھا، جو انتہائی متعفن تھا، بعض دیواروں پر ہندی زبان میں کتبے کندہ تھے، میرے ساتھی نے بتایا کہ اہل تاریخ کہتے ہیں کہ اس مقام پر ایک عظیم الشان شہر آباد تھا۔ یہاں کے باشندوں نے جب بددیانتی، جھوٹ، فریب اور ظلم و تعدی کی انتہا کردی تو یہ سب کے سب پتھر بنادیئے گئے۔ ان کا بادشاہ وہی ہے جو حویلی میں چبوترے پر بیٹھا ہے، یہ حویلی اب بھی ''شاہی محل'' کے نام سے مشہور ہے، اور جو کتبے ہندی زبان میں دیواروں پر کندہ ہیں ان میں اس شہر کی عبرتناک تباہی کی تاریخ درج ہے جو اب سے ایک ہزار پہلے کی تاریخ ہے۔ (رحلہ ابن بطوطہ ۲:۷)